ترقی پسند تحریک اور کشمیری افسانہ

ڈاکٹر ثمینہ کوثر
لیکچرار کشمیریات، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور
ڈاکٹر سلیم اختر
لیکچرار اردو، ایچی سن کالج، لاہور

PROGRESSIVE MOVEMENT AND KASHMIRI SHORT STORY

Samina Kausar, PhD
Lecturer in Kashmiryat
Punjab University Oriental College, Lahore

Saleem Akhtar, PhD
Lecturer in Urdu
Aitchison College, Lahore

Abstract

The history of short story writing in the Kashmiri language goes back to the middle of the 20th century and that too under the influence of the Progressive Movement whose primary objective was to portray the true albeit harsh reality of modern day life. When the modernist literature reached Kashmir, socio-economic and political situation in Kashmir was rich for its acceptance. Kashmiri writers and poets were greatly inspired by the Progressive Movement and they began writing short stories on the real issues of modern day in the Kashmiri language.

Keywords:
ترقی پسند تحریک، پریم چند، کرشن چندر، اختر محی الدین، دینا ناتھ نادم، کشمیری افسانہ

ہندوستان میں عوامی کہانیوں، حکایتوں، اور لوگ گیتوں کا عظیم ذخیرہ موجود ہے۔اس حوالے سے کشمیر کو دوسرے خطّوں کی نسبت نمایاں حیثیت حاصل ہے۔بقول شفیع شوق ''کشمیر میں قصے کہانیاں سنانے کا ایک پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا جس کا کہانی سنانے کا اپنا اپنا انداز یا اسلوب ہوتا تھا۔''(۱) اسی طرح سر آریل اسٹائن(Sir Auriel Stein)نے کچھ کشمیری کہانیوں کو اپنے اصل متن میں جمع کیا اور اس کا نام ''حاتم ٹیلز'' رکھا۔ ۱۸۲۳ء میں گریرسن (G.A. Grierson)نے اس کا انگریزی ترجمہ کر کے لندن سے شایع کروادیا۔اس طرح کشمیر میں افسانوی ادب شروع ہوا۔

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر سماجی حقیقت پسندی کی خاطر ادیب شاعری میں اظہار کا وسیلہ تنگ محسوس کرتے تھے اور دوسری طرف کشمیر میں افسانہ پڑھے لکھے طبقے میں بہت مقبول ہو رہا تھا۔پریم چند(۱۸۸۰۔۱۹۳۶ء) سب کے ہر دل عزیز افسانہ نگار تھے۔ان کی افسانہ نگاری کی پیروی کرتے ہوئے کشمیری افسانہ نگاروں نے افسانے لکھنے شروع کیے اور پہلی کاوش اُردو زبان میں کی گئی۔بشیر اختر رقم طراز ہیں:

یہ گویوہے کُویٹ کشمیرک ہیوہ زمانہ۔اتھی زمانس اندر سپز اُردو زبان منز ترقی پسند تحریک شور وتہ تُتھ کنؑ وُچھتھ تُل واریا ہَو کاشرو قلمَ تہ لیکھِک اُردو افسانہ یمِن لکھارین اندر اوس پریم ناتھ پردیسی پیش پیش۔(۲)

ترجمہ: یہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کا زمانہ تھا۔اسی زمانے میں اُردو زبان میں ترقی پسند تحریک شروع ہوئی اور اس کی طرف دیکھ کر کئی کشمیری ادیبوں نے قلم اُٹھایا اور اُردو میں افسانہ لکھنے کا آغاز کیا اور ان لکھاریوں میں پریم ناتھ پردیسی سب سے آگے تھے۔

جموں و کشمیر میں اُردو افسانے کی ابتدا پریم ناتھ پردیسی کے افسانوں سے ہوتی ہے مگر یہاں کی افسانہ نگاری کی تاریخ تب تک اُدھوری سمجھی جائے گی جب تک کرشن چندر(۱۹۱۴۔۱۹۷۷ء)کا ذکر نہ کیا جائے جن کا جموں و کشمیر کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا۔انھوں نے یہاں کے دل کش باغوں، دل رُبا کوہ ساروں، سرسبز شاداب وادیوں، مترنم و نغمہ ریز جھرنوں، آب شاروں اور رومان انگیز فضاؤں میں پرورش پائی۔ یہاں کی علمی، ثقافتی، تہذیبی اور تمدنی خوبیوں سے متاثر ہو کر اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔کرشن چندر بنیادی طور پر رومان پرست اور جذباتی فن کار تھے۔وہ فطرت اور آدمی کے اٹوٹ، دائمی اور ازلی رشتے کی پہچان اپنی آنکھوں میں رکھتے تھے۔وہ دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔دسواں پل سے اقتباس ملاحظہ ہو:

میں بند پر چل رہا ہوں
میرے ساتھ ساتھ جہلم بھی چل رہا ہے
ہم دونوں مسافر ہیں اور بہت دور سے آئے ہیں
جس دن میری ماں نے مجھے جنم دیا میں بہت کمزور تھا
جس دن چشمہ ویری ناگ نے جہلم کو جنم دیا وہ بھی بہت کمزور تھا۔(۳)

تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) سے پیدا ہونے والے ''کشمیر کے مسئلے'' کو بھی اُردو افسانہ نگاروں نے پیش کیا ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔اس ضمن میں کرشن چندر کا افسانہ ''نیا مدرسہ'' ایک ایسا افسانہ ہے جس میں کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ گویا کرشن چندر پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے کشمیر کے مسئلے کی نسبت لکھا ہے بقول ممتاز شیریں:

> ''کشمیر کا معاملہ رائے عامہ پر چھوڑا جائے۔ وہاں کی عوام جس ملک میں جانا چاہیں، کشمیر کا اس کے ساتھ الحاق ہو، اور یہ بات ہمارے ادیبوں میں سب سے پہلے کرشن چندر نے کہی ہے۔''(۴)

کرشن چندر کی پیروی کرتے ہوئے جن افسانہ نگاروں نے کشمیر اور کشمیر کے گرد و نواح کی دیہی زندگی کو موضوع اپنایا ان میں پریم ناتھ پردیسی کا نام بھی شامل ہے۔انھوں نے کشمیر کے فطری حسن کی دل کشی کو بیان کرنے سے زیادہ اس غربت اور افلاس پر توجہ مرکوز کی جو کشمیر کے قرب و جوار میں ڈیرے لگائے ہوئے تھی۔ پریم ناتھ پردیسی کی دیہات نگاری سے تلخی جھلکتی ہے اور کشمیر کے دیہات ان کے افسانوں میں ایک پس منظر کے طور پر بھی اُبھرے ہیں۔

پریم ناتھ پردیسی کشمیری ادب کے آسمان پر اس وقت ایک ستارہ بن کر چمکے جب کشمیری غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور اپنے لیے حق کی بات کرنے سے بھی گریزاں تھے۔ایسے وقت میں پریم ناتھ پردیسی اور پریم ناتھ در نے اپنی تحریروں کے ذریعے سماج کو روشنی دکھائی۔بقول اختر محی الدین:

> ''یوہے تاڑ کھ بنتھ دراو گوڈ پریم ناتھ پردیسی تہ ستپریم ناتھ دریموکاشر افسانہ اور دو جامہ ولتھ پیش کور۔ یمن دوشونی ادبین ھندی کردار تہ کردارن ہند سماجی ماحول، جدوجہد کی انمان، ذکواقاتھ بیتر اس کاشر۔ پوت زیہنز زبان اس اور دو آسنہ باو وجودتہِ کاشر تکیاز محاور، تلمیحاتھ بیتر اس خالصِ کاشرِ زبان ھندی اُردو''(۵)

ترجمہ: یہی تارابن کرابتدامیں پریم ناتھ پردیسی اور پریم ناتھ در منظر پر آئے۔انھوں نے کشمیری افسانہ کو اُردو کے جامہ میں پیش کیا۔ ان دونوں ادیبوں کے کرداروں کے سماجی ماحول، جدوجہد کی داستان اور واقعات وغیرہ کشمیری تھے۔ان کی زبان اُردو ہونے کے باوجود کشمیری تھی کیوں کہ محاورات و تلمیحات وغیرہ خالص کشمیری زبان کا اُردو ترجمہ تھے۔

پریم ناتھ پردیسی ابتدا میں ادب برائے ادب کے نقیب تھے۔ مگر پریم چند کی کہانی ''کفن'' اور ''انگارے'' کی اشاعت کے ساتھ ہی انجمن ترقی پسند مصنّفین کا باضابطہ قیام عمل میں آیا تو پردیسی کو یہ احساس شدت سے ہوا کہ ادب برائے ادب کا نظریہ زندگی کے حقائق کو سمجھنے کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ اسی لیے انھوں نے رجعت پسندی، رومانیت، فراریت اور تصور پرستی کو ترک کرکے ادب کے خارجی اور افادی پہلوؤں پر توجہ دی۔بقول خلیل الرحمن اعظمیٰ:

> ''پریم ناتھ پردیسی نے کشمیر کی زندگی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور کرشن چندر سے ہٹ کر بعض موضوعات کی نقاب کشائی کی۔''(٦)

گویا کشمیر کی مفلوک الحالی نے انھیں پریشان اور دکھی کر رکھا تھا۔انھیں ایک خط میں صدیقہ بیگم سیوہاروسی کو انھوں نے لکھا: ''۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۳۶ء تک میں نے جو کچھ لکھا ہے،اس پر میں فخر نہیں کر سکتا ہوں اس وقت مجھے یہ احساس نہ تھا کہ ایک افسانہ نگار ہونے کی حیثیت سے مجھ پر اپنے وطن عزیز کے کیا فرائض ہیں۔''(۷)

پریم ناتھ پردیسی کے خط میں ہمیں دو باتوں کا اشارہ ملتا ہے۔ایک یہ کہ ان کا ادب کے بارے میں کیا نظریہ تھا اور دوسرے جموں وکشمیر میں افسانہ نگاری کی ابتدا ۳۳-۱۹۳۱ء سے ہوتی ہے۔ آپ جموں وکشمیر میں ترقی پسند تحریک کی بنیاد ڈالنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

پریم ناتھ پردیسی کے ہم عصر افسانہ نگاروں میں پریم ناتھ در (۱۹۱۴۔۱۹۷۶ء)، کرشن چندر، نند گوپال (۱۹۱۴ء)، قدرت اللہ شہاب (۱۹۱۷۔۱۹۸۶ء)، رامانند ساگر (۱۹۱۷۔۲۰۰۵ء)، کشمیری لال ذاکر (۱۹۱۹۔۲۰۱۶ء)، نرسنگھ داس نرگس، ٹھاکر پونچھی (۱۹۲۲۔۱۹۷۴ء)، سوم ناتھ زُتشی (۱۹۲۳۔۱۹۹۶ء)، موہن یاور کے نام قابل ذکر ہیں۔پریم ناتھ در کشمیر کے نامور اُردو افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کے افسانے ترقی پسند تحریک کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ان کی تحریریں زیادہ تر مارکسی نظریات سے متاثر نظر آتی ہیں۔ان کا پہلا مجموعہ ''کاغذ کا واسودیو'' ہے۔

اس بارے میں شبیر احمد لکھتے ہیں:

> Kaghaz ka Vasudav was followed by many short stories depicting harsh realities of social life in Kashmir and in Delhi.(8)

ان افسانہ نگاروں نے ریاستی عوام کی بے چینی، انتشار، مظلومیت، بے چارگی اور بے بسی کو اپنے افسانوں میں پیش کیا اور ان حقائق کو بھی بے نقاب کیا جنھوں نے یہاں کے لوگوں کو غربت اور مفلسی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا تھا۔

مذکورہ بالا افسانہ نگاروں نے موضوع، ہیئت اور تکنیک کی سطح پر سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند کی روایات کا اثر قبول کیا اور ترقی پسند نظریات کو اپنے افسانوں میں پیش کیا۔ ان افسانہ نگاروں کے یہاں جاگیردارانہ نظام سے نفرت اور جمہوری اقدار کی پاس داری کا عنصر بھی ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانے کے لیے موضوعات زیادہ تر اپنے گردو پیش کی زندگی سے اخذ کیے اور اس صنف کی روایت کو اپنی بساط کے مطابق آگے بڑھایا۔ تقسیم وطن تک ریاست میں افسانہ نگاری کا فن ہیئت، تکنیک اور موضوع کے اعتبار سے اپنی کم عمری کے باوجود ایک مستحکم روایت قائم کر چکا تھا۔ تقسیم کے بعد کچھ سالوں تک لوگ افرا تفری کا شکار رہے۔ ادیبوں اور افسانہ نگاروں کا شیرازہ بکھر گیا۔ کچھ افسانہ نگار ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور کچھ جموں سے باہر۔ تقسیم کے بعد جہاں سیاسی اور سماجی زندگی میں تبدیلی رونما ہوئی، ادبی زندگی میں بھی نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ بقول وانی ''ادیب اور فن یہاں تک متاثر ہوئے کہ پریم ناتھ پردیسی نیشنل ملیشیا "National Malitia" میں بھرتی ہو گئے۔ ان ہی حالات سے متاثر ہو کر ''نغمہ جنگ'' اور ''بجھتے چراغ'' جیسے افسانے لکھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''اب آپ کے چراغ نہیں جلیں گے سیٹھ جی۔ دنیا کو امن کی ضرورت ہے۔''(۹) یہ جملہ امن کے لیے ان کے دل میں تڑپ کا اظہار ہے۔

افسانے کے اُفق پر چند پرانے لکھنے والوں کے ساتھ نئے لکھنے والوں کے نام اُبھرے جن میں وید راہی (۱۹۳۵۔۱۹۷۱ء)، پشکر ناتھ (۱۹۳۲ء)، جگدیش کمل، رام کمار ابرول، وجے سوری، مالک رام آنند (۱۹۳۹۔۲۰۰۴ء)، مدن موہن شرما وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے مارکس کے اشتراکی نظریات کے ساتھ ساتھ فرائڈ کے نظریات سے بھی اثر قبول کیا۔ لاشعور نفسیات اور جنس کو اپنا

محور بنایا۔ ان میں بہت سے افسانہ نگاروں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اردو زبان میں لکھنے سے کیا لیکن پھر کشمیری یاڈوگری کی طرف مائل ہوگئے۔

کشمیری زبان میں افسانے کا آغاز آزادی کے بعد اس وقت ہوا جب ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں اور تنظیمیں سرگرم عمل تھیں۔ میر شبیر احمد لکھتے ہیں:

> Kashmiri short story has developed only after the progressive movement had influenced the literary circles.(10)

یہ وہ دور تھا جب ہر طرف ایک ہی ادبی تحریک بڑے پیمانے پر سرگرم عمل تھی وہ ترقی پسند تحریک تھی۔ اس بارے میں ہردے کول بھارتی رقم طراز ہیں:

> ''سائنس ریاستس منز تہِ بزرگ ادیبو نثرچ کمی موحسوس کرتھ کاشری پاٹھ افسانہ لیکھنک دسلابہ کورِتم تہِ اس سید سیود یاور گہ اتھ سیاسی تحریک سیتی وابستہ۔ چناں چہ سَپد کاشر افسانک آغازِ تہِ ترقی پسند تحریکہ سیت''(۱۱)

ترجمہ: ہماری ریاست میں جن بزرگ ادیبوں نے نثر کی کمی کو محسوس کرکے کشمیری زبان میں افسانہ لکھنے کا آغاز کیا۔ وہ بالواسطہ یابلاواسطہ اسی تحریک کے ساتھ وابستہ تھے۔ چناں چہ کشمیری افسانے کا آغاز بھی ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہوا۔

چناں چہ جو ادیب اُردو میں افسانہ لکھ رہے تھے انھوں نے کشمیری زبان یعنی مقامی زبان میں بھی افسانہ لکھنے کا آغاز کیا۔

۱۹۵۰ء میں پہلا کشمیری افسانہ لکھا گیا۔ یہ افسانہ لکھنے کا تجربہ فنی کم زوریوں کے باوجود سب لوگوں نے بہت پسند کیا۔ اس نئے فن کی ہیئت نہ صرف شاعری سے مختلف تھی بل کہ پریوں، راجاؤں کی پرانی داستانوں سے بھی مختلف تھی ۔

اولین افسانہ جو کشمیری زبان میں شایع ہوا اس کے متعلق مختلف آرا ہیں۔ بقول ہردے کول بھارتی: ''ابتدائی افسانہ جو چھپ کر لوگوں کے سامنے آیا وہ دینا ناتھ نادم کا ''جوابی کارڈ'' تھا۔ اس کے ساتھ ہی سوم ناتھ زتشی کا افسانہ ''یلہ پھول گاش'' بھی شائع ہوا۔ بل کہ اس کے متعلق متضاد رائے ہے کچھ کشمیری افسانے ''جوابی کارڈ'' کے ساتھ ہیں تو کچھ کے مطابق ''یلہ پھول گاش'' اولین کشمیری افسانہ ہے۔''(۱۲)

بہر حال یہ بحث ایک طرف، یہ بات زیادہ اہم ہے کہ کشمیری افسانے کا آغاز ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہوا۔ کشمیری افسانے نے افسانے کے اس معیار کو بغیر کسی پس و پیش اور مشکل کے قبول کر لیا جو ترقی پسند تحریک کے لیے لازمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے کم و بیش سارے افسانے ان افسانوں سے کوئی خاص مختلف نہیں جو اس تحریک کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں مختلف زبانوں میں لکھے جا رہے تھے۔ جب کشمیری افسانہ وجود میں آیا تو اس وقت اس کا مزاج حقیقت پسندی تھا جو اس وقت سماج پرست ادب کا بنیادی جزو مانا جاتا تھا۔ سماج پرست نظریہ آزادی کے بعد سارے ہندوستان میں مقبول ہو گیا کیوں کہ کانگرس کے منشور میں شامل تھا اور اس کی بہ دولت روس میں ایک انقلاب برپا ہوا تھا جو کشمیر کا ہمسایہ ہے۔ اسی وجہ سے اس نظریے نے یورپی اور ہندوستانی دانش وروں کو بہت متاثر کیا۔ کشمیر میں جن ادیبوں نے اس نظریے کے تحت لکھا ان میں عبد الاحد آزاد (۱۹۰۳۔۱۹۴۸ء)، پریم ناتھ پردیسی، دینا ناتھ نادم (۱۹۱۶۔۱۹۸۸ء)، سوم ناتھ زتشی (۱۹۲۳۔۱۹۹۶ء)، رحمان راہی (۱۹۲۵ء) اور عبد العزیز ہارون (۱۹۲۲ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔ غلام نبی خیال لکھتے ہیں:

> ’’ترقی پسند ثقافتی تحریکہ ہندس زندگی بخش تہ حرارت آمیز ماحولس منز پیوو اکہ طرفہ گوڈنچہ پھر کاشر افسانہ تھنہ تہ ست آو اتھ ادبہ ذاتھ بیین زبانن ہندی افسانہ ماجہ زیو منز تار نہ ست نوو وسعت دِنہ۔ جن چنگ چو تہ لنگ سین سندین چینی۔ گورکی تہ چیخوف سندین روسی، راج رتنم سند تامل تہ کرشن چندر تہ خواجہ احمد عباسنی اُردو افسانہ پھری کاشرس منز زیاد تر عزیز ہارونن تہ زتشی ین تہِ کور کینژن افسانن۔‘‘(۱۳)

ترجمہ: ترقی پسند ثقافتی تحریک کے زندگی بخش اور حرارت آمیز ماحول میں ایک طرف کشمیری افسانے کی پیدائش ہوئی تو ساتھ ہی دوسری زبانوں کے افسانوں کو مادری زبان میں ترجمہ کر کے ان افسانوں کو نئی وسعت دی گئی۔ جن چنگ اور لنگ سین کے چینی، گورکی اور چیخوف کے روسی، راج رتنم کے تامل اور کرشن چندر اور خواجہ احمد عباس کے اُردو افسانوں کو کشمیری زبان میں ترجمہ کرنے کا کام زیادہ تر عزیز ہارون اور سوم ناتھ زتشی نے کیا۔

کشمیری افسانے کی پیدائش میں براہ راست تو نہیں لیکن روسی افسانہ نگاروں کا اثر تراجم کی صورت میں رہا۔ یہ اور بات ہے کہ مقامی حکم رانوں نے روسی ادب کے یہاں تک پہنچنے کی کوششوں کو

ہر طرح سے روکے رکھنے کی کوشش کی۔بقول رتن لال شانت ''روسی انقلاب کا اثر براہ راست کشمیری افسانے پر نہ پڑا بل کہ ہندی اور اُردو افسانے نے اس کے اثرات پہلے قبول کیے۔ ترقی پسند تحریک انھی اصولوں پر قائم تھی جو اس انقلاب نے قائم کیے تھے۔ کشمیری ادیبوں نے اس تحریک کے علم برداروں کے ساتھ تعلقات رکھے اور سجاد ظہیر، یش پال،اُپندر ناتھ اُشک، کرشن چندر، فیض اور جوش وغیرہ ادیبوں میں سے کئی کشمیر میں بھی آئے۔''(۱۴)

کشمیر کے مصنّفین جن ادیبوں کی تصنیفات کو پڑھ رہے تھے اور ترقی پسند تحریک کی بنیادی خصوصیت کو اپنے اندر پیدا کر رہے تھے وہ ایک طرف تو شخصی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف اپنی سماجی بدانتظامی کو دور کرنے چاہتے تھے۔اس لیے انھوں نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد غلامی کا تصور اسی طرح پیش کیا جس طرح انقلاب روس (۱۹۱۷ء) کے بعد روسی ادیبوں نے زار شاہی کی ظالمانہ تصویر پیش کی تھی۔آزادی کے بعد استحصال کرنے والوں کا ایک نیا روپ سامنے آیا۔ زمین ملنے کے بعد بھی کسانوں کے کئی مسائل تھے۔ قحط سالی اور پھر ۱۹۵۰ء میں اس صدی کا ایک ایسا سیلاب آیا کہ قرض داری اور مقدمہ بازی کی نحوست نے عام انسان کی زندگی دوبھر کر دی۔ افسانہ نگاروں کے پاس لکھنے کے لیے کافی مواد پیدا ہو گیا۔

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھنے والوں میں زیادہ تر کے موضوعات سیاسی، سماجی پستی اور غریبوں پر ہونے والے مظالم تھے۔بقول میر شبیر احمد:

> Somnath Zutish's short stories 'Yeli phol gash (When there was dawn) and Dina Nath Nadim's (A Reply card) written in 1950 were presented in the meeting of cultural congress and later appeared in the some issue of kongposh. They were followed by short stories written by some other writers. Mostly the short story writers described the social back wards and oppression on the poor in a descriptive style. They were largely carried away by the ideological commitments and did not bother much about the art of writing.(15)

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ایسا ادب پیدا ہوا جس میں مقصدیت تھی، پیغام تھا۔اس سے کشمیری زبان کو اپنے اظہار کا موقع ملا۔یہی وجہ ہے کہ اس دور میں کشمیری افسانے کو عروج حاصل ہوا۔ اس لیے کشمیری زبان کے پہلے افسانے ''ییلہ پھول گاش'' میں سوم ناتھ زُتشی صاحب نے اس وقت کے دور میں سرمایہ دار اور مزدور کی کش مکش کو بیان کیا ہے۔

سوم ناتھ زُتشی (۱۹۲۳ء۔۱۹۹۶ء) نے غیر ملکی ادیبوں کے افسانوں کے ترجمے بھی کیے ہیں۔ ان افسانوں میں بیشتر افسانے انھی موضوعات پر تھے جن کا تعلق محنت کشوں اور کسانوں کے ساتھ تھا۔ ایک تامل افسانے ''ہالو'' جس کے مصنف راج رتنم تھے۔ سوم ناتھ زُتشی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا اور کونگ پوش کے جولائی ۱۹۵۰ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''گامکین بسکینن اوس اکھ زدوہ برونہہ خوف زِ خوشکی مار گوژھ نہ سَپدن......
پہاڑ نالہ یُس گامہ کین داں کھمن سَگ اوس دِوان۔ دانہ پپنہ برونہئے ہو کھمُت۔
یمیہ کِنی گامِک لوکھ اس ہر روز ڈیکہ ژ کرِتھ آسان''(۱۶)

ترجمہ: گاؤں کے مکینوں کو ایک دو دن پہلے ہی خوف پیدا ہو گیا تھا کہ خشکی کی مار نہ ہو جائے۔ (خشک سالی نہ پیدا ہو جائے)...... پہاڑی نالہ جو پورے گاؤں کی فصلوں کو پانی دیتا تھا، وہ فصل کے پکنے سے پہلے ہی خشک ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے گاؤں کے لوگ ہر وقت گہری سوچ میں ڈوبے رہتے تھے۔

سوم ناتھ زتشی نے ایک طرف تو اپنے افسانے میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے استحصال کو بیان کیا تھا تو دوسری طرف تراجم کے لیے بھی جن افسانوں کا انتخاب کیا، ان میں بھی کسانوں اور مزدوروں کے مسائل کو ہی مد نظر رکھا۔

جو ادیب نظریہ اشتراکیت سے متاثر ہو کر لکھ رہے تھے وہ نظم یا نثر کے لکھنے کے وقت فنی لوازمات کو بالکل فراموش کر دیتے تھے۔ وہ سوشلزم کے تصورات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سماج کے تصور، سیاسی حالات اور وقت کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے آنے والے دنوں کے ایسے خواب دکھاتے جو حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک افسانے میں دینا ناتھ نادم نے جاگیرداروں کے خلاف کسانوں کے جذبات کو بیان کرتے ہوئے تخیل پرستی سے بھی کام لیا ہے۔ افسانہ 'رے' (قحط سالی) میں ایک جگہ گاؤں کی اس طرح تصویر کشی کی ہے:

''ریتہ کول سورُونے چُھ اتھ (کولِہ) آب راسی زن گژھان تہ گامی گامس آبہ کامن
گژھان۔ توے چھ گاش پھولنہ پیٹھ اَڈاجبیہ راَژن تام، آبس منگ آسان...... از تہِ
اوس گامی گام آبہ دادِ ژِستھ آمُت۔''(۱۷)

ترجمہ: گرمی کا موسم جاتے ہی اس پانی کے نالے میں پانی کم ہو جاتا ہے اور پورے گاؤں میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے۔اسی وجہ سے صبح ہونے سے آدھی رات تک پانی کی مانگ ہوتی ہے۔آج بھی پورا گاؤں پانی کے لیے اکٹھا ہوا تھا۔

اس افسانے میں افسانہ نگار ایک گاؤں کے حالات و واقعات کی منظر کشی کرتے ہیں کہ گاؤں میں خان صاحب نام کا ایک جاگیر دار ہے۔دیہاتوں میں کسان اپنی زمینوں کے لیے پانی باری کے ساتھ لگاتے ہیں۔اس افسانے میں نادم صاحب نے جاگیر دار کا استحصال بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح ظلم و جبر سے لوگوں کی زمینوں کے حصے کا پانی بھی اپنی فصلوں کو لگالیتا ہے جس کی وجہ سے کسانوں کی فصل خشک سالی کا شکار ہو جاتی ہے اور انھیں قحط سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے،جب کہ جاگیر دار کی پیداوار اچھی خاصی ہوتی ہے۔

اس افسانے میں افسانہ نگار نے کسان کے شعور کو بیدار کرتے ہوئے بتایا ہے:

"سب کسان اپنے حق کے لیے آواز اُٹھانے کا فیصلہ کرتے ہیں اور ان کی فصل کا جو پانی جاگیر دار نے استعمال کیا ہے اسی کی وجہ سے وہ جاگیر دار کی ساری فصل مل کر زبردستی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔"(۱۸)

نادم صاحب نے اس افسانے میں عام کسان میں اپنے حق کے حصول کے لیے جذبات واحساسات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب تک وہ اپنے حق کے لیے خود جدوجہد نہیں کرے گا کوئی ان کے لیے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔اور ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھے جانے والے افسانوں میں زیادہ تر یہی پیغامات دیے گئے ہیں۔

کشمیر میں ترقی پسند افسانہ کی ایک شاہ کار تصویر اختر محی الدین کا "جلی ہند دند پھل"(جلی کے دانت) بھی ہے۔یہ مختصر افسانہ کشمیر کی سیاسی صورت حال کا ترجمان ہے۔اس افسانے کی تازگی اور معنویت تب تک رہے گی جب تک ہمارے معاشرے میں ظالم اور مظلوم موجود ہیں،جب تک طاقت ور اور کم زور موجود ہیں انسانیت کی تذلیل کا عمل جاری رہے گا۔اسی حقیقت کا اظہار اختر محی الدین نے اپنے اس شاہ کار افسانے "جلی ہند دند پھل" میں کیا ہے۔

رسول کھر کی بیٹی جلی نے ۱۴ویں کلاس کا امتحان پاس کیا تھا اور ان کے گھر کے پرانے دروازے پر ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر جلیلہ رسول بی۔اے ایل ایل بی لکھا ہوا تھا اور رُسول کھر کو یہ بورڈ اپنے ماتھے پر چمکتا ہوا تارا لگتا تھا۔اس افسانے میں کرفیو کی صورت حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

کہ اس دن کرفیو تھااور سڑک پر فوج گشت کر رہی تھی۔ جلی نے فوجی افسر سے اجازت لے کر رُسول کھر کو سڑک کے دوسری طرف بھیج دیا۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''بھائی صاحب میرے پتاجی سڑک کے اُس پار جائیں گے آپ کی اجازت ہے؟
ان کو پھر واپس بھی آنا ہے۔''(۱۹)

فوجی افسر جلی کے حسن سے متاثر ہو کر اس کو جانے کی اجازت دے دیتا ہے لیکن واپس آنے پر دوسرا فوجی افسر اس کے باپ کو مارتا ہے جس پر وہ اس کے خلاف آواز اُٹھاتی ہے جس کی قیمت اسے اپنی موت کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

''جِلہ گونڈن ہیر بون تار تہ کھور ٹھیکراوِتھ وونس، تمھارے ماں باپ نہیں ہیں
کیا؟ بکواس تم کرتے ہو۔ہنگہ تہ منگہ زن نیلہ نبہ ترٹھ پییہ۔ جل آیہ پتھر و کراونہ
امس اس۔ سینس، گردنہ تہ ہونگنہ پُرزوُڈ یمتی''

ترجمہ: جلی کو سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور پاؤں زمین پر مار کر کہا تمہارے ماں باپ نہیں ہیں کیا؟ بکواس تم کرتے ہو۔اچانک جیسے آسمان سے بجلی گرتی ہے۔ جلی زمین پر گر گئی۔اس کے گردن، سینے اور ہونٹوں کے پرزے اُڑ چکے تھے۔(۲۰)

یہ ایسا ترقی پسند افسانہ ہے جس پر آپ کسی نظریے کی پیروی کا الزام نہیں لگا سکتے۔اس کی آفاقیت تب تک موجود رہے گی جب تک معاشرے میں بے انصافی کے شکار لوگ موجود رہیں گے۔

کشمیر میں افسانہ نگاری کو پروان چڑھانے میں جن ادیبوں نے اہم کردار ادا کیاان میں سوم ناتھ زُتشی(۱۹۲۳۔۱۹۹۶ء)، دینا ناتھ نادم(۱۹۱۶۔۱۹۸۸ء)، امین کامل(۱۹۲۳۔۲۰۱۴ء)، عزیز ہارون (۱۹۲۲ء)، نور محمد روشن(۱۹۱۹ء)،اختر محی الدین(۱۹۲۷۔۲۰۰۵ء)، علی محمد لون(۱۹۲۶۔۱۹۸۷ء)، صوفی غلام محمد(۱۹۳۰ء)،تاج بیگم رینزو(۱۹۳۱۔۲۰۰۶ء)اور اُمیش کول(۱۹۲۹ء)کے نام قابل ذکر ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) شفیع شوق، ناجی منور، کاشر ادبک تواریخ، کاشر ڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ۱۹۷۸ء، ص ۱۷۸

(۲) بشیر اختر، کاشر افسانہ تہ افسانہ نگار، مشمولہ سون ادب(کشیر)، کاشر ڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۱

(۳) ڈاکٹر صادق، ترقی پسند تحریک اور اُردو افسانہ، مجلس اُردو دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۷

(۴) ڈاکٹر فردوس انور قاضی، اُردو افسانہ نگاری کے رُجحانات، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۳۵۴

(۵) اختر محی الدین، افسانک عالمی معیار تہ کاشر افسانہ، مشمولہ انہار، کاشر ڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ۱۹۸۱ء، ص ۵۹

(۶) خلیل الرحمن اعظمی، اُردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۴

(۷) ڈاکٹر برج پریمی، کشمیر کے مضامین، تپیا ۵۸۔ آزاد بستی، نئی پورہ، سری نگر، کشمیر، ۱۹۸۹ء، ص ۸۷

(8) Mir Shabbir Ahmed, The History of Kashmiri Literature, Ghulshan Books, Srinagar, 2011, p 313.

(۹) محمد اسد اللہ وانی، جموں و کشمیر میں اُردو افسانے کے نئے افق، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی سری نگر، ۱۹۷۹ء، ص ۳۴۳

(10) Mir Shabbir Ahmed, The History of Kashmiri Literature, Ghulshan Books, Srinagar, 2011, p 184

(۱۱) ہردے کول بھارتی، کاشر افسانہ، مشمولہ انہار، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، سری نگر، ۱۹۸۱ء، ص ۴۶

(۱۲) ایضاً

(۱۳) غلام نبی خیال، ترقی پسند کاشر افسانہ، مشمولہ کاشر افسانہ، کشمیر ڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر، ص ۴۴

(۱۴) ڈاکٹر رتن لال شانت، افسانک فسانہ، مشمولہ سون ادب (تنقید نمبر)، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی سری نگر، ۱۹۸۰ء، ص ۲۵۵

(15) Mir Shabbir Ahmed, The History of Kashmiri Literature, Ghulshan Books, Srinagar, 2011, p 184

(۱۶) ہردے کول بھارتی، کاشر افسانہ، مشمولہ سون ادب، (کاشر زبان تہ ادب)، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، سری نگر، ۱۹۷۹ء، ص ۲۵۹

(۱۷) ہردے کول بھارتی، کاشر افسانہ، مشمولہ سون ادب، (کاشر زبان تہ ادب)، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، سری نگر، ۱۹۷۹ء، ص ۲۶۰

(۱۸) ایضاً، ص ۲۶۱

(۱۹) دینا ناتھ نادم، گرے، مشمولہ شیرازہ (نادم نمبر)، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، سری نگر، ۱۹۸۹ء، ص ۲۶۳

(۲۰) ایضاً، ص ۳۷۰

❖❖❖